

خلافتِ راشدہ سے ملوکیت تک

(۲)

— اَبُو اَلْعَلٰی مَوْدُودِی —

پانچواں مرحلہ | حضرت عثمانؓ کی شہادت (۸ رزی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد حضرت نعمان بن شیبہ اُن کا خون سے بھرا ہوا قمیص، اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں، حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے اور انہوں نے یہ چیزیں منظرِ عام پر لٹکا دیں تاکہ اہلِ شام کے جذبات بھڑک اُٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبری لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی، اس قمیص اور ان انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

ادھر حضرت علیؓ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد جو کام سب سے پہلے کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ محرم ۳۶ھ میں حضرت معاویہ کو شام سے معزول کر کے حضرت سہیل بن صہیف کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ مگر ابھی بیٹھے گوزر تبرک تک ہی پہنچے تھے کہ شام کے سواروں کا ایک دستہ اُن سے آکر ملا اور اس نے کہا: اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے آئے ہیں تو اہلِ سہل، اور اگر کسی اور کی طرف سے آئے ہیں تو واپس تشریف لے جائیے۔ یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک اور صاحب کو اپنے ایک خط کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس بھیجا، مگر انہوں نے اس کا

۳۵ ابن الاثیر ج ۳، ص ۱۸۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۷

۳۶ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۰۳۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۸

کوئی جواب نہ دیا اور صفر ۳۶ء میں اپنی طرف سے ایک لفافہ اپنے ایک پیغامبر کے ہاتھ ان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؑ نے لفافہ کھولا تو اس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا ”میرے پیچھے دمشق میں ۶۰ ہزار آدمی خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہیں۔“ حضرت علیؑ نے پوچھا، کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا ”آپ کی رگ گردن کے لیے“ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبہ کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیش نظر قاتلینِ عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینا ہے۔

یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ مسلسل ۱۶-۱۷ سال ایک ہی صوبے، اور وہ بھی جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافت اسلامیہ کے ایک صوبے کی بہ نسبت ان کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔ مورخین نے حضرت علیؑ کے حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ تدبیر سے بالکل ہی کورے تھے، مینگیر بن شعبہ نے ان کو عقل کی بات بتائی تھی کہ معاویہ کو نہ چھڑیں، مگر انہوں نے اپنی نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہ کو خواہ مخواہ بھڑکا کر مصیبت مول لے لی۔ حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود انہی کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ اگر حضرت معاویہ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ نے اس کے بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اُس وقت ان کے لیے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا، کیونکہ جزیرۃ العرب، عراق اور مصر ان کے تابع

فرمان تھے، تنہا شام کا صوبہ ان کے مقابلے پر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا۔ علاوہ بریں دنیائے اسلام کی عام رائے بھی اس کو سرگزیندہ نہ کرتی کہ ایک صوبے کا گورنر خلیفہ کے مقابلے میں تلوار لے کر کھڑا ہو جائے۔ بلکہ اس صورت میں خود شام کے لوگوں کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ سب متحد ہو کر خلیفہ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیتے۔ لیکن عین وقت پر ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہم کے اُس اقدام نے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا اور حضرت علیؓ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے، ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرے کا رخ کرنا پڑا۔^{۳۵}

جنگِ جملِ رجمادی الاخریٰ ۳۶ھ سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے پھر شام کے مسائل کی طرف توجہ کی اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں اُن کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اُمت جس خلافت پر جمع ہو چکی ہے اس کی اطاعت قبول کر لیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ ڈالیں۔ مگر حضرت معاویہ نے ایک مدت تک حضرت جریر کو ہاں یا ناں کا کوئی جواب نہ دیا اور انہیں برابر مالتے رہے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورے سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علیؓ کو خونِ عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔ دونوں حضرات کو یقین تھا کہ جنگِ جمل کے بعد اب حضرت علیؓ کی فوج پوری طرح متحد ہو کر اُن کے جھنڈے تلے نہ لڑ سکے گی اور نہ عراق اُس دلجمعی کے ساتھ اُن کی حمایت کر سکے گا جو اہل شام میں حضرت معاویہ کے لیے پائی جاتی تھی۔^{۳۶} اس دوران میں جبکہ حضرت معاویہ مالِ مٹول کر رہے تھے، حضرت جریر بن عبداللہ نے دمشق میں شام کے بااثر لوگوں سے ملاقاتیں کر کے ان کو یقین دلایا کہ خونِ عثمان کی ذمہ داری سے حضرت علیؓ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت معاویہ کو اس سے تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے

۳۵ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۱۳۔

۳۶ الطبری، ج ۳، ص ۵۶۱۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۴۱-۱۴۲۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۵۲۔

تیار کریں جو اہل شام کے سامنے یہ شہادت دے دیں کہ حضرت علیؑ ہی حضرت عثمانؓ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کر کے لے آئے اور انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ عراق سے اور حضرت معاویہ شام سے جنگ کی تیاریاں کر کے ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور صیقین کے مقام پر جو فرات کے مغربی جانب الرقہ کے قریب واقع تھا، فریقین کا آمنہ سامنا ہوا۔ حضرت معاویہ کا لشکر فرات کے پانی پر پہلے قابض ہو چکا تھا۔ انہوں نے لشکر مخالف کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت علیؑ کی فوج نے لڑکر ان کو وہاں سے بے دخل کر دیا اور حضرت علیؑ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنی ضرورت بھر مانی لیتے رہو اور باقی سے لشکر مخالف کو فائدہ اٹھانے دو۔

ذی الحجہ کے آغاز میں باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت علیؑ نے حضرت معاویہ کے پاس اتنا م تحبت کے لیے ایک وفد بھیجا۔ مگر ان کا جواب یہ تھا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ میرے اور تمہارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کچھ مدت تک جنگ جاری رہنے کے بعد جب محرم ۳۵ء کے آخر تک کے لیے التوائے جنگ کا معاہدہ ہو گیا تو حضرت علیؑ نے پھر ایک وفد حضرت عدی بن حاتم کی سرکردگی میں بھیجا جس نے حضرت معاویہ سے کہا کہ سب لوگ حضرت علیؑ پر جمع ہو چکے ہیں اور صرف آپ اور آپ کے ساتھی ہی ان سے الگ ہیں۔ حضرت معاویہ نے جواب دیا: وہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کریں تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں، پھر ہم تمہاری بات مان لیں گے اور اطاعت قبول کر کے عت کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ نے ایک وفد حضرت علیؑ کے پاس بھیجا جس کے سرور حبیب بن مسلمۃ البغہری تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا: اگر آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ

۳۷ الاستیعاب ج ۲، ص ۵۸۹ ۳۸ الطبری، ج ۳، ص ۵۶۸-۵۶۹- ابن الاثیر، ج ۲،

ص ۱۴۵-۱۴۶ - ۳۹ ابن الاثیر، ج ۲، ص ۱۴۶

آپ نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے تو جنہوں نے قتل کیا ہے انہیں ہمارے حوالہ کر دیں ہم حضرت عثمان کے بدلے انہیں قتل کر دیں گے پھر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں، تاکہ مسلمان آپس کے مشورے سے جس پر اتفاق کریں اسے خلیفہ بنا لیں۔

مخبر گزرنے کے بعد حضرت عمرؓ سے اصل فیصلہ کن جنگ شروع ہوئی اور آغاز ہی میں حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا کہ "خبردار، لڑائی کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کرنا جب تک وہ حملہ نہ کریں۔ پھر جب تم انہیں شکست دے دو تو کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرنا، کسی زخمی پر ہاتھ نہ ڈالنا، کسی کو برہنہ نہ کرنا، کسی مقتول کی لاش کا منٹکہ نہ کرنا۔ اور جب مخالفین کے کیمپ میں داخل ہو تو کسی عورت کو بے پردہ نہ کرنا، کسی گھر میں نہ گھسنا، اُن کے مال نہ لوٹنا، اور عورتیں خواہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں، ان پر دست درازی نہ کرنا۔"

اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نصیح صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے، حضرت معاویہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا، اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تَقْتَلُكَ الْفِتْنَةُ الْبَاطِلَةُ رَمَّ كَوَّابِكُ الْبَاطِلِ الْكَاذِبِ قَتَلَ كَرَّعَ كَا، مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابوداؤد، طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرات ابوسعید خدری، ابو قتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر بن خطاب، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، صدیقہ، ابویوب انصاری، ابورافع، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہوئی ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں بھی یہ حدیث کئی سندوں

۱۔ الطبری، جلد ۴، ص ۳-۴- ابن الاثیر، جلد ۳، ص ۱۴۷-۱۴۸- البدایہ، ج ۷، ص ۲۵۷-۲۵۸

۲۔ الطبری، ج ۴، ص ۶- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۴۹-

سے نقل کی ہے۔ متعدد صحابہ و تابعین نے، جو حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذہب تھے، حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک علامت فرار وے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ علامہ ابن عبد البر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر آثار یہ بات منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کر دیا اور یہ صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔“ یہی بات حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بھی ہے۔ دوسری جگہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہو گئے، درانحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا۔“ حافظ ابن کثیر البدایہ والنبیہ میں حضرت عمار بن یاسر کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وی ہوئی اس خبر کا راز کھل گیا کہ حضرت عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضرت علیؑ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ باغی ہیں۔“ جنگ جمل سے حضرت زبیر کے ہٹ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے لشکر میں حضرت عمار بن یاسر موجود ہیں۔ مگر جب حضرت عمار کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اپنے والد اور حضرت معاویہ دونوں کو حضور کا

۱۲۴ ابن سعد، ج ۳، ص ۲۵۱ تا ۲۵۹-۲۵۹

۱۲۵ ایضاً، ج ۳، ص ۲۵۳-۲۵۹-۲۶۱۔ الطبری، ج ۴، ص ۲۷۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۵۷-۱۶۵

۱۲۶ الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۲۴

۱۲۷ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۶ (مطبوعہ مصطفیٰ محمد، مصر، ۱۹۳۹)

۱۲۸ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۲

۱۲۹ البدایہ، جلد ۷، ص ۲۷۰

۱۳۰ البدایہ، جلد ۷، ص ۲۴۱

یہ ارشاد ببادولایا تو حضرت معاویہ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کہ ”کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عمار کو باغی گروہ میدان جنگ میں لائے گا، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل حضرت معاویہ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علی کے گروہ نے۔ حضرت عمار کی شہادت کے دو مہرے روز ۱۰ صفر، سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیروں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ ہذا حکم بیننا و بینکم ربہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے، اس کی مصیحت حضرت عمرو نے خود یہ بتائی کہ ”اس سے علی کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے، اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے ہم مجتمع رہیں گے اور ان کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں ہمت مل جائے گی۔“ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔

اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ میں قرآن نیروں پر اٹھایا گیا، اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن العاص کو امید تھی۔ حضرت علی نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔ پھر یہی پھوٹ حکم مقرر کرنے کے موقع پر بھی رنگ لائی۔ حضرت معاویہ نے اپنی طرف سے حضرت

۴۹ الطبری ج ۴، ص ۲۹۔ ابن الاثیر ج ۳، ص ۱۵۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰

علامہ ابن کثیر حضرت معاویہ کی اس تاویل کے متعلق کہتے ہیں کہ ”یہ بڑی دُور کی تاویل ہے جو انہوں نے پیش کی۔“

۵۰ الطبری، جلد ۴، ص ۳۴۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۲۵۵۔ ابن الاثیر ج ۳، ص ۱۶۰۔ البدایہ ج ۷، ص ۲۶۲

عمر بن العاص کو حکم بنایا۔ حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کریں مگر عراق کے لوگوں نے کہا وہ تو آپ کے چچا زاد بھائی ہیں، ہم غیر جانبدار آدمی چاہتے ہیں۔ آخر ان کے اصرار پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حکم بنا کر لایا، حالانکہ حضرت علیؑ ان پر مطمئن نہ تھے۔ چھٹا مرحلہ | اب خلافت کو ملوکیت کی طرف جانے سے بچانے کا آخری موقع باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ دونوں حکم ٹھیک ٹھیک اُس معاہدے کے مطابق اپنا فیصلہ دیں جس کی رو سے ان کو فیصلے کا اختیار سونپا گیا۔ معاہدے کی جو عبارت مؤرخین نے نقل کی ہے اس میں حکیم کی بنیاد یہ تھی:

”دونوں حکم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں، اور جو کچھ کتاب اللہ

میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنتِ عادلہ جامعہ غیر مفرقہ پر عمل کریں۔“

لیکن دو متہمجتدل میں جب دونوں حکم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ آیا کہ قرآن و سنت کی رو سے اس قضیہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کی صحیح صورت طائفہ باغیہ کو راہِ راست پر آنے کے لیے مجبور کرنا ہے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قضیہ میں طائفہ باغیہ کو نسا ہے۔ ایک امیر کی امارت قائم ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے والے کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں۔ خون کے دعوے کا بھی شرعیہ میں صاف ضابطہ موجود تھا جس کی رو سے دیکھا جاسکتا تھا کہ حضرت معاویہ نے خونِ عثمان کے متعلق اپنا دعویٰ ٹھیک طریقہ سے اٹھایا ہے یا غلط طریقہ سے۔ اور معاہدہ حکیم کی رو سے دونوں صاحبوں کے سپرد یہ کام سرے سے کیا ہی نہیں گیا تھا کہ

۱۵۱ الطبری، ج ۴، ص ۳۴-۳۵-۳۶۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶۱-۱۶۲۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۵-۲۷۶

۱۵۲ الطبری، ج ۴، ص ۳۸-۳۹۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۶

۱۵۳ الحجرات، آیت ۹۔

وہ خلافت کے مسئلے کا جو فیصلہ بطور خود مناسب سمجھیں کر دیں، بلکہ ان کے حوالے فریقین کا پورا جھگڑا اس صراحت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اُن کے درمیان اولاً کتاب اللہ اور پھر سنتِ عادیہ کے مطابق تصفیہ کریں۔ مگر جب دونوں بزرگوں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے یہ بحث شروع کر دی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے پوچھا، آپ کے نزدیک اس معاملہ میں کیا صورت مناسب ہوگی؟ انہوں نے کہا ”میری راستے یہ ہے کہ ہم ان دونوں حضرات (علی و معاویہ) کو الگ کر کے مسئلے کو مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیں تاکہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں۔“ حضرت عمرو نے کہا ”ٹھیک بات یہی ہے جو آپ نے سوچی ہے۔“ اس کے بعد دونوں صاحبِ مجمعِ عام میں آئے جہاں دونوں طرف کے چار چار سوا صاحب اور کچھ غیر جانبدار بزرگ موجود تھے۔ حضرت عمرو نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا آپ ان لوگوں کو تیار دیجیے کہ ہم ایک راستے پر متفق ہو گئے۔“ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا ”اگر آپ دونوں ایک راستے پر متفق ہو گئے ہیں تو اس منفقہ فیصلہ کا اعلان عمرو بن العاص کو کرنے دیجیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ دھوکا کھا گئے ہیں۔“ حضرت ابو موسیٰ نے کہا ”مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے، ہم نے بالاتفاق ایک فیصلہ کیا ہے۔“ پھر وہ تقریر کے لیے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ ”میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن العاص) ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورے سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنالیں۔ لہذا میں علی اور معاویہ کو معزول کرتا ہوں۔ اب آپ لوگ اپنا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنالیں۔“ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ”ان صاحب نے جو کچھ کہا وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی (حضرت علی) کو معزول کر دیا ہے۔ میں بھی ان کی طرح انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان ابن عفان کے ولی اور

اُن کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“ حضرت ابو موسیٰ نے یہ بات سننے ہی کہا مَالِكَ لَا وَفَقَدَ اللّٰهُ، غدرت و فحوت دیتے تم نے کیا کیا؟ خدا تمہیں توفیق نہ دے، تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلافت ورزی کی،۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بولے ”افسوس تمہارے مال پر اسے ابو موسیٰ، تم عمر و کی چالوں کے مقابلے میں بڑے کمزور نکلے۔“ حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا ”اب میں کیا کروں؟ اس شخص نے مجھ سے ایک بات پر اتفاق کیا اور پھر اُس سے وامن چھڑا لیا۔“ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا ابو موسیٰ اس سے پہلے مر گئے ہوتے تو ان کے حق میں زیادہ اچھا تھا۔“ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: ”دیکھو، اس امت کا حال کہاں جا پہنچا ہے۔ اس کا مستقبل دو ایسے آدمیوں کے حوالے کر دیا گیا جن میں سے ایک کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے، اور دوسرا ضعیف ہے۔“^{۵۴} درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور حضرت عمرو بن العاص نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے جا کر حضرت معاویہ کو خلافت کی بشارت دی، اور حضرت ابو موسیٰ شرم کے مارے حضرت علی کو منہ نہ دکھا سکے اور سیدھے کتے چلے گئے۔^{۵۵}

حافظ ابن کثیر حضرت عمرو بن العاص کے اس فعل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ”انہوں نے اس حالت میں لوگوں کو بلا امام چھوڑنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ اُس وقت لوگوں میں جو خلافت برپا تھا اس کو دیکھتے ہوئے انہیں خطرہ تھا کہ ایسا کرنا ایک طویل و عریض فساد کا موجب ہوگا اس لیے انہوں نے مصلحت کی بنا پر حضرت معاویہ کو برقرار رکھا، اور اجتہادِ صحیح بھی ہوتا ہے

۵۴ الطبری، ج ۴، ص ۵۱۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۲۵۶-۲۵۷۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶۸۔

البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۸۲-۲۸۳

۵۵ البدایہ، ج ۷، ص ۲۸۳

اور غلط بھی ہے لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیروں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لیکر اس دنت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ "اجتہاد" تھا۔ بلاشبہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاتخرام ہیں، اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو جھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو "اجتہاد" قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے "اجتہادات" سے روک سکتے ہیں۔ اجتہاد کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ امر حق معلوم کرنے کے لیے آدمی اپنی انتہائی حد و سب تک کوشش کرے۔ اس کوشش میں دانستہ غلطی بھی ہو جائے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجہاد کی مستحق ہے لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط، دونوں ہی یکساں اختراز کے لائق ہیں۔ کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کرنے لگے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے ایک نے کیا کیا اور دوسرے نے کیا، بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دو متناہجندل میں ہوئی، معاہدہ حکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے کے مجاز ہیں، حالانکہ وہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوتے تھے، اور معاہدہ حکیم کے کسی نقطہ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ

انہیں معزول کر دیں۔ پھر انہوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں، حالانکہ اُس وقت تک وہ صرف خونِ عثمان کے مدعی تھے نہ کہ منصبِ خلافت کے۔ فرید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدہ تحکیم میں اس مفروضے کے لیے کوئی بنیاد موجود نہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت علیؑ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقرر کرتے ہوئے فرمایا:

”سنو، یہ دونوں صاحبِ جہنم تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا، انہوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا، اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی، اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنتِ ماضیہ پر مبنی نہیں ہے، اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے، اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں انہوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مستط ہوجانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور خلافتِ راشدہ کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں:

”خدا کی قسم، اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہزقل کی طرح کام کریں گے۔“

ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا:

”چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوکِ جبار بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیں۔“

۵۵۷ الطبری، ج ۴، ص ۵۷ - ۵۵۸ الطبری، ج ۴، ص ۵۸ - ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۷۱ -

۵۵۹ الطبری، ج ۴، ص ۵۹ - ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۷۲ -

مگر عراق کے لوگ بہت ہار چکے تھے اور خوارج کے فتنے نے حضرت علیؑ کے لیے مزید ایک دروسر پیدا کر دیا تھا۔ پھر حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کی تدبیروں سے مصر اور شمالی افریقیہ کے علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئے، اور دینائے اسلام عملاً دو متحارب حکومتوں میں بٹ گئی۔ آخر کار حضرت علیؑ کی شہادت (رضعان سنہ ۴۰ھ) اور پھر حضرت حسن کی مصالحت (سنہ ۴۵ھ) نے میدان حضرت معاویہ کے لیے پوری طرح خالی کر دیا۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے انہیں دیکھ کر بہت سے وہ لوگ بھی، جو پہلے حضرت علیؑ اور ان کے مخالفین کی گڑبائیوں کو محض فتنہ سمجھ کر غیر جانبدار رہے تھے، یہ اچھی طرح جان گئے کہ حضرت علیؑ کس چیز کو قائم رکھنے اور امت کو کس انجام سے بچانے کے لیے اپنی جان کھپا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے آخری زمانے میں کہا ”مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا،“ ابراہیم اشعری کی روایت ہے کہ مسروق بن اجدع حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علیؑ کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔

حضرت علیؑ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے ثنایاں شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قائلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے، باوہل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے، اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے گفتگو

۱۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۱۸۷۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۰-۳۷

۲۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۰۔

۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷

کرنے کے لیے جب انہوں نے حضرت قنقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو ان کی ناسندگی کرتے ہوئے حضرت قنقاع نے کہا تھا کہ "حضرت علیؑ نے قائلین عثمان پر ہاتھ ڈالنے کو اُس وقت تک مؤخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں، آپ لوگ بیعت کر لیں تو پھر خون عثمانؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا۔" پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو اُن کے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہؓ نے اُن پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمان کے ذمہ دار ہیں، اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلة عثمان و عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت ہے۔ لیکن اس کے بعد بدرزنج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے، حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاثنترا اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے اور ان کے قبیل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں، مگر دل ہی کہتا ہے کہ کاش امیر المؤمنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا۔

بعض لوگ اس بات پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے متعدد درشتہ واروں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبید اللہ بن عباس، حضرت قثم بن عباس وغیرہم۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ انہوں نے یہ کام ایسے حالات میں کیا تھا جبکہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا، دوسرا گروہ مخالفت کیمپ میں شامل ہو گیا تھا، اور تیسرے گروہ میں آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورت حال حضرت عثمانؓ کے دور کی صورت

۶۳ البدایہ، ج ۷، ص ۲۳۷

۶۴ ایضاً، ج ۷، ص ۲۴۰

حال سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی کیونکہ ان کو اپنے وقت میں امت کے تمام ذمی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ | حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے میں یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ و پیش ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہ نے کہا اگر آپ امیر المؤمنین کہتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اُس طریقہ سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا۔ حضرت معاویہ خود بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے۔ ایک فریبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انا اول الملوک، میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں، بلکہ حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی، پھر بادشاہی ہوگی، اور یہ مدت ربیع الاول ۱۱ھ میں ختم ہو گئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔

اب خلافت علیٰ منہاج النبوة کے بحال ہونے کی آخری صورت صرف یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورے

۶۵ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۰۵ حضرت سعد کا نقطہ نظر اس معاملہ میں جو کچھ تھا اس پر بہترین روشنی اس واقعہ سے پڑتی ہے کہ زمانہ قننہ میں ایک دفعہ ان کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص نے ان سے کہا کہ اگر آپ اس وقت خلافت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت لیتے تیار ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ان ایک لاکھ تلواروں میں میں صرف ایک تلوار ایسی چاہتا ہوں جو کافر پر زور چلے مگر کسی مسلمان پر نہ چلے (البدایہ ج ۸، ص ۶۲) ۶۶ الاستیعاب ج ۱، ص ۲۵۴ البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۳۵۔

۶۷ البدایہ ج ۸، ص ۱۶

پر چھوڑ دیتے، یا اگر قطعِ نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کر جانا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہل علم و اہل خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے اُمت میں موزوں تر آدمی کون ہے لیکن اپنے بیٹے زید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی غائب کر دیا۔

اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہ انہیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور زید سے مل کر کہا کہ "صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لیے بیعت لے لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ زید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا۔ انہوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے زید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا "امیر المومنین! آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتلِ عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ زید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو۔" حضرت معاویہ نے پوچھا "اس کام کو پورا کر دینے کی ذمہ داری کون لے گا؟" انہوں نے کہا "اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور اہل بصرہ کو زیاد۔ اس کے بعد پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے۔" یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور زید کی ولی عہدی کے لیے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خرید لیا ہے؟" انہوں نے کہا "۳۰ ہزار دینار میں حضرت معاویہ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت بھاری ہے۔"

پھر حضرت معاویہ نے بصرے کے گورنر زیاد کو لکھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اُس نے عبید بن کعب النخعی کو بلا کر کہا امیر المؤمنین نے مجھے اس معاملہ میں کچا ہے اور میرے نزدیک یزید میں یہ یہ کمزوریاں ہیں، لہذا تم ان کے پاس جا کر کہو کہ آپ اس معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ عبید نے کہا آپ حضرت معاویہ کی رائے خراب کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ میں جا کر یزید سے کہتا ہوں کہ امیر المؤمنین نے اس معاملہ میں امیر زیاد کا مشورہ طلب کیا ہے، اور ان کا خیال یہ ہے کہ لوگ اس تجویز کی مخالفت کریں گے، کیونکہ تمہارے بعض طور طریقے لوگوں کو ناپسند ہیں۔ اس لیے امیر زیاد تم کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تم ان چیزوں کی اصلاح کر لو تاکہ یہ معاملہ ٹھیک بن جائے۔ زیاد نے اس رائے کو پسند کیا اور عبید نے دمشق جا کر ایک طرف یزید کو اصلاح اطوار کا مشورہ دیا اور دوسری طرف حضرت معاویہ سے کہا کہ آپ اس معاملے میں جلدی نہ کریں۔^{۶۹} مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد یزید نے اپنے بہت سے اُن اعمال کی اصلاح کر لی جو قابل اعتراض تھے۔ مگر اس رُوداد سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا، اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبے کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرنا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لیے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔

یزید کی وفات ۴۵ھ کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا اور بااثر لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبید بن عمر کو ایک لاکھ دہم بھیجے اور یزید کی بیعت کے لیے راضی کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا، اچھا یہ وہی اس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ پھر تو میرا دین میرے لیے بڑا ہی مستحکم ہو گیا۔ یہ کہہ کر انہوں نے روپیہ

^{۶۹} الطبری، ج ۴، ص ۲۲۴-۲۲۵۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۴۹-۲۵۰۔ البدایہ، ج ۸، ص ۷۹

لینے سے انکار کر دیا۔

پھر حضرت معاویہ نے مدینے کے گورنر مروان بن الحکمہ کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو جانشین مقرر کر دوں۔ لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔ مروان نے اہل مدینہ کے سامنے یہ بات پیش کی۔ لوگوں نے کہا ایسا کرنا عین مناسب ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لیے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرنے ہوئے کہا: "امیر المؤمنین نے تمہارے لیے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنا لیا ہے۔ یہ بہت اچھی رستے ہے جو اللہ نے اُن کو سنبھالی۔ اگر وہ اُس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ابو بکر و عمر نے بھی جانشین مقرر کیے تھے۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اٹھے اور انہوں نے کہا "جھوٹ پورے ہونے سے مروان اور جھوٹ کہا معاویہ نے۔ تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے تم اسے قیصریت بنا نا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اُس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابو بکر و عمر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا۔" مروان نے کہا "پکڑو اس شخص کو، یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ قَالُوا لَئِن لَّمْ يَأْتِنَا آيَةٌ تَكَلَّمْنَا بِهِ... (الاحقاف، ۱۷)۔" حضرت عبدالرحمن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ چیخ اٹھیں کہ "جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملہ میں یہ آیت نہیں آئی ہے، بلکہ ایک اور شخص کے معاملہ میں آئی ہے جس کا نام میں عابرون تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اُس کی صُلب میں تھا۔" اس مجلس میں حضرت عبدالرحمن کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا۔

اسی زمانہ میں حضرت معاویہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کیے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے، مگر حضرت آنحنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ نے کہا ”الو بجر، تم کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر۔ امیر المؤمنین، آپ یزید کے شب و روز، خلوت و جلوت، آمد و رفت، ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ اگر آپ اُس کو اللہ اور اس امت کے لیے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجیے۔ اور اگر آپ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اس کے حوالے کر کے نہ جاتیے۔ رہے ہم، تو ہمارا کام تو یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر سمعنا و اطعنا کہہ دیں“

عراق، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہ خود حجاز تشریف لے گئے، کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؑ، حضرت ابن زبیرؑ، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ان سے ملے۔ حضرت معاویہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر نکلے چلے گئے۔ اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انہوں نے نکلے کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ اس مرتبہ ان کا برتاؤ

اٹھ اس واقعہ کا مختصر ذکر بخاری، تفسیر سورہ احقاف میں ہے، اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تفصیلات نسائی، اسماعیلی، ابن المنذر، البیہقی اور ابن ابی حاتم سے نقل کی ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب ج ۲، ص ۳۹۳۔ البدایہ ج ۸، ص ۸۹۔ ابن الاثیر ج ۳، ص ۲۵۰۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ”بعض روایات کی رو سے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا انتقال ۳۵ھ میں ہو چکا تھا اس لیے اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس موقع پر موجود نہیں ہو سکتے تھے“ لیکن حدیث کی معتبر روایتیں اس کے خلاف ہیں، اور البدایہ میں حافظ ابن کثیر بتاتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن کا انتقال ۳۵ھ میں ہوا ہے۔

۳۵ھ ابن الاثیر ج ۳، ص ۲۵۰-۲۵۱۔ البدایہ ج ۸، ص ۸۰

اُس کے برعکس تھا جو دینے کے باہر اُن سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انہیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے پھر تخیلیے میں بلا کر انہیں بیزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا ”آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجیے۔ یا زبیر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے، لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنا لیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو بنایا تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لیے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا کوئی دُور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت عمرؓ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوروی تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔“ حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا ”آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟“ انہوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیر نے کہا ہے۔ اس پر حضرت معاویہ نے کہا ”اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔ اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔“ پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ”ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے، اس کا سر قلم کر دے۔“ اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ ”یہ مسلمان کے سردار اور بہترین لوگ، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا، بیزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ لہذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔“ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔

اس طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی حکیمہ شاہی خانوادوں (DYNASTIES) نے لے لی۔ اور مسلمانوں کو اُس کے بعد سے

آج تک پھر انہی مہنئی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہ کے محاصرہ و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اُسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

بچوں اور خواتین کیلئے بہترین تحفے

بچوں کے لیے		خدا کی حکومت	
پندرہ روزہ "نور" لاہور۔ زرسالانہ ۵/۵۰ فی ۲۵ پیسے	۱۰۔ صادقہ (مجموعہ احادیث)	۱۰۔ ۵۰ پیسے	۳۱ پیسے
۱۔ چٹن خاں کے سات صندوق	۱۱۔ ہم کیسے رہیں ابن فرید	۲۲ پیسے	۲ روپے
۲۔ تنہا سہیل	۱۲۔ زندگی کا سبق	۶۲	۱۲ - ۲
۳۔ گھنڈی گرگٹ ابن فرید	۱۳۔ چھوٹی بیو	۳۷	۵۵ - -
۴۔ تھوک کا مکان	۱۴۔ گھر یو جھگڑے	۵۹	۲ - ۳۷
۵۔ آپ بیتی نمبر "نور"	۱۵۔ بچے کی تربیت	۷۵	۳ - ۳۷
<u>خواتین اور لڑکیوں کے لیے</u>		۱۶۔ بیچنے	۳۷ - ۱
۱۔ ماہنامہ تنول لاہور۔ زرسالانہ	۱۷۔ بشری کے خطوط	۵۱ پیسے	۱ -
۲۔ سیرت حضرت خدیجہ	۱۸۔ اسلامی زندگی	۵۰ پیسے	۲ - ۵۰
۳۔ تاجدار مدینہ کی شہزادیاں	۱۹۔ عورت کیا کچھ کر سکتی ہے خدیجہ زینبہ ثانی	۸۷ پیسے	۱ - ۲۵
۴۔ خدا کی غلامی	۲۰۔ مجرم کون	۳۱ پیسے	۲ - ۲۵

کتاب و پریچر منگوانے کا پتہ: ادارہ بتول ۴۷ اے ذیل دارپارک، اچھرہ، لاہور